"آدھی صدی آدھی محبت" ناول کا فکری و فنی مطالعہ

An intellectual and Artistic study of the novel "Adhi Siddi Adhi Mohabbat"

ڈاکٹر صائمہ اقبال، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr.Saima Iqbal, Assisstant professor, Dptt of Urdu, GCUF

عائشہ دلشاد، طالب علم، ایم اے اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Aysha Dilshad,Student, M.A Urdu, GCUF

Abstract

Dr.Muhammad Rafiq Shahid has carefully observed the power, love, separation, sovereignty, beauty and attitudes in his novel "Adhi Siddi Adhi Mohabbat". In thia novel he presented the buring feelings with comfort and abundance of emotions, rural life with hi technical skills. "Adhi siddi Adhi Mohabbat" is an important literary effort in terms of its breadth of subject matter, depth of approach and fundamentality of perspective. The story structure characterization and ending as a whole bring this literary effort of our artist to the important level of creativity. While reading, the language and diction, the dullness of the prose and the dull, unnecessary details, do not in any way detract from the intensity of the reader's study.In this article presented the an intellectual and artistic study of the novel "Adhi Saddi Adhi Mohabbat".

Keywords:Dr Rafique Shahid, Introduction, Novel, Adhi Saddi Adhi Mohabbat, Intellectual Study, Artistic Study, conclusion

ادب کے میدان میں روز افزوں ایسی شخصیات کا اضافہ ہو تا رہتا ہے جن کی بدولت ادب کو نیا رنگ، روپ نصیب ہو تا ہے اور اس کا دامن نت نئی تصانیف سے بھر تا جاتا ہے۔ ان کی حیثیت جسم میں شامل ہونے والے نئے خون کی مانند

ہوتی ہے۔ جس سے اسے توانائی اور تازگی ملتی ہے ان نئ شامل ہونے والی شخصیات میں ایک نام ''ڈاکٹر محمد رفیق شاہد ''کا بھی ہے۔

> ''ڈاکٹر محمد رفیق شاہد علمی و ادبی حلقوں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ شہرت شاعری ہے ان کے جذبات کا زیادہ تر اظہار غزل اور ناول کے سانچے میں ہوا ہے۔ اردو زبان کے علاوہ پنجابی زبان میں بھی ایک کمال کے شاعر ہیں۔''(1)

تصانیف :

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کی جو کتا میں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں ان میں سے پہلی کتاب ''چاند کے پیار میں ''ہے یہ ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ جس میں ایک حمد، ایک نعت، شعری مجموعہ اور کچھ قطعات شامل ہیں۔ اسے سلیم نواز پر نٹنگ پریس میں فیصل آباد سے ۲۰۰۹ ء میں شائع کیا۔ ان کی دوسری کتاب کا نام ''تکلف ''ہے جو غزلیات اور نظموں کا مجموعہ ہے یہ ۱۴۴ صفحات پر جس میں ایک حمد، ایک نعت ایک سلام بحضور امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ، ۵۶ (ستاون) غزلیں اور ۳۲ (بتیس) نظمیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پروین سجل، اے ایچ عاطف اور اقبال راہی کی آراء بھی اس کتاب میں شامل ہے اسے سجل پبلیکیشنز لاہور سے ۲۰۱۴ء میں شائع کیا گیا ۔ ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کی تیسری کتاب پنجابی زبان میں ہے جس کا نام ''پینیڈ اتھلاں دا ''ہے جیسے بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ اسے احسن پبلیکیشنز فیصل آباد سے ۲۵ دسمبر ۲۰۱۶ء میں شائع کیا گیا۔ اس کل صفحات ۱۴۸ ہیں ۔

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کی غزل گوئی:

ایک ذی شعور انسان دنیا میں ہونے والے عوامل اور تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسان اپنے الفاظ کے انداز سے ان کا اظہار کر تا ہے۔ کہیں سیدھے الفاظ سے، کہیں خبر کی مانند، کبھی کہانی کی صورت میں مگر ان سب میں ایک انداز وہ ہے جو ان سب سے اچھوتا اور بلند مقام رکھتا ہے اور وہ شاعری لفظوں کا وہ کھیل ہے جس میں الفاظ کا ہیر پھیر اور اتار چڑھاؤ بات کو ایک نیارنگ بخشتا ہے۔

ایک سیدھی بات کو ذو معنی الفاظ اور ترنم و موسیقیت سے بھر ا تاثر کچھ کا کچھ بنادیتا ہے۔

سیفؔ انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں میں کوئی بات نئی بات نہیں(2)

شاعری میں ایسا جادو ہے جو لفظوں کو ایسالباس پہنادیتی ہے کہ تلخ سے تلخ بات بھی سننے والے کو بری نہیں لگتی۔ خالق سے گلا ہو، خلق خدا کے دیئے ہوئے دکھ، حکومت وقت کو کوسنا ہو یا پھر ظلم محبوب کے ظلم پر ماتم ہو، کائنات کے حسین مناظر کی تصویر کشی ہو، وطن سے محبت و یگانگت کا اظہار ہو غرض کہ اس کے لکھنے میں کوئی بھی جذ بہ کار فرما ہو، اند از والفاظ پڑھنے والے کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ پروین سجل ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کی دوسری کتاب ''تکلف ''جو کہ شعری مجموعہ ہے اس میں ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کے حوالے سے لکھتے ہیں :

''گو کہ شاعری ماورائی قوت کا استعارہ ہے جو دھڑکنوں کو گرفت میں لیتی ہے تو احساسات کو ایسا کیف میسر آتا ہے جس کے بیاں کے لیے الفاظ و بیاں دست بستہ دکھائی دیتے ۔بہر کیف ڈاکٹر محمد رفیق شاہد غالباً انھی حولوں کے مجاز مہرے ہیں ان کا یہ دوسرا شعری مجموعہ ''تکلف ''کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس میں ان کی شاعری کا مزاج انسانی رشتوں اور سماج سے جڑا ہوا ہے جس سے ان کی فکری اور تخیلاتی ہیت متعین ہوتی ہے ۔''(3)

انھوں نے طبقاتی فرق مٹادیا ہے۔ انھوں نے بہت ہی اچھے انداز سے سراپا نگاری بیان کی ہے قاری کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود اس کو دیکھ رہا ہو۔ انھوں نے جاگیر دارانہ نظام کو خوبصورت طریقے سے بیان کیا ہے کہ ایک جاگیر دار کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی انا اور ان کی روایات ہر چیز پر مسلط ہو جاتی ہے۔ انھوں نے جس

شخص کا نقشہ کھینچا ہے۔ ان کی خوبیوں، عادات، اطوار، لباس، ناک نقشہ غرض ہر چیز چلتی پھرتی تصویر کی طرح آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے:

"ڈاکٹر محمد رفیق شاہد ادبی کہکشاں کا روشن چمکدار ستارہ ٹھہرے جو پچھلے کئی عشروں سے ٹوٹتی، بنتی بگڑتی خواہشات خشک ہونٹوں پر سجائے، آبلہ پا، دردِ عشق، محبت، سپنے، خیال خواب بانٹ رہے ہیں ۔ڈاکٹر محمد رفیق شاہد سراپا محبت، نئے نئے خیالات اور نئے نئے تجربے کی زنبیل سرزمین خیال رکھے ہوئے اپنی قلبی کیفیات کا تمثال دار آئینہ اٹھائے دشت ادب میں آبلہ پائی کرتے ملتے ہیں ۔"(4)

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے ناول میں اقتدار، محبت، فراق، وصال، حاکمیت، حلیے اور رویوں کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے جس میں سلگتے احساسات کو آسودگی اور وفور جذبات، دیہی زندگی کے ساتھ اپنی فنی مہارت سے پیش کیا ہے ۔''آدھی صدی آدھی محبت''اپنے موضوع کے پھیلاؤ، اپروچ کی گہرائی اور نقطہ نظر کی اساسیت کے اعتبار سے ایک اہم ادبی کاوش ہے۔ کہانی کی بنت، کردار نگاری اور اختتام بحیثیت مجموعی ہمارے فن کار کی اس ادبی کوشش کو تخلیقی اعتبار کی اہم منزل پر لا کھڑا کرتی ہے۔ مطالعہ کے دوران زبان و بیان، اغلاط نثر کا پھیکا پن اور بے رس، غیر ضروری تفصیلات، قاری کے مطالعہ کی حدت میں کہیں بھی کمی کا باعث نہیں بنتی، اس مقام پر ہمیں عبداللہ حسین، بانو قدسیہ، رئیس احمد جعفری بھی کھڑے ملتے ہیں:

''آدھی صدی آدھی محبت ''ان رویوں پر کوڑے کی بہترین مثال ہے۔ جہاں مصنف نے انتہائی لطیف جذبہ احساس کی لطافت کو نا صرف محسوس کیا بلکہ اسے اس

خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ فکر کی پختگی سے ماہر نباض کی طرح شعور کی خوابیدہ تہوں کو جھنجوڑا اور اس انداز میں پیش کیا ہے کہ تخلیق کار کے ساتھ قاری کو بھی تخلیق خود پر وارد ہوتی نظر آتی ہے۔ یہی اس ناول کا کمال ہے۔ بلکہ ہر ادب میں ادب عالیہ کی مثال اس طرح کی تحریروں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔"(5)

ناول کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ اور کردار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے ہاں کردار کی بنت میں بنیادی خامی نظر آتی ہے کہ چلتے پھرتے انسان کو ایسے مافوق الفطرت خصائص سے سجا دیا جا تا ہے کہ وہ کردار چلتا پھرتا دکھائی دینے کے باوجود کسی دوسری دنیا کا فرد محسوس ہوتا ہے۔ آدھی صدی، آدھی محبت اس حوالے سے بھی کامیاب نظر آتا ہے۔

ناول کا عنوان: "آدھی صدی آدھی محبت" مصنف کا نام: ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کل صفحات: 448 اہتمام اشاعت: مہر گرافکس اینڈ پبلشرز، سن اشاعت: 2021

آدھی صدی آدھی محبت کا فکری جائزہ:

آدھی صدی آدھی محبت ناول تفریح سے زیادہ تہذیبی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں انسانی روائیوں اور روابط کے لیے امکانات کی ایسی کہانی ہے جو محض تصوراتی یا فلسفیانہ نہیں بلکہ ان کا تعلق معاشرے کے زندہ حقائق سے ہے جو ہمارے ارد گرد بکھرے ہیں۔ ناول میں بکھرے کرداروں کے رویوں کے نفسیاتی ردِ عمل، انسانی رویوں، تعلقات کے مابین مائل طبقاتی جبرت کو ناول کا مرکزی خیال بنا کر انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے کا اظہار کیا ہے۔ آدھی صدی آدھی محبت کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کے ناول کا ہیرو اور ہیروئن کی محبت ادھوری رہتی ہے۔ اس لحاظ سے ناول کا نام اچھا لگا جب صدی مکمل ہو جائے گی محبت ادھوری نہیں رہے گی بلکہ محبت بھی پوری ہو جائیں گے۔

ناول ہمیشہ معاشرتی مسائل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مصنف نے معاشرے میں پائے جانے والے مسائل کا ایک محقق کی حیثیت سے احاطہ کیا اور مسائل کی بھرمار سے مایوس ہونے کی بجائے ان کا علاج بتایا ہے۔ اس ناول میں معاشرتی، ثقافتی اور سیاحتی رنگ بھی ہیں۔ اس میں

انسانی رویوں کی بھرپور عکاسی بھی ہے۔ ملکی حالات کی جھلک بھی ہے اور ایک سماجی روحانی کہانی بھی ہے۔ ناول کے ہیرو راحیل اور ہیروئن فاطمہ نے ان اقدار کا محاصرہ کیا ہے جن کی ایک مشرقی باحیا مسلمان معاشرے میں توقع کی جا سکتی ہے۔

ناول نگار نے غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ غم ذات اور غم دنیا مل جل کر سامنے آتے ہیں۔ یہ ناول جگ بیتی بھی ہے اور آپ بیتی بھی ہے۔ آدھی صدی آدھی محبت کے کردار ہمارے ارد گرد کے جیتے جاگتے کردار ہیں وہ کوئی دیومالائی اور غیر انسانی مخلوق نہیں ہیں۔ ان کی خواہشات اور تمنائیں ہماری ہی تمام خواہشات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ارد گرد اور ماحول ہی کی ترجمانی کی ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے اس ناول کو طبقاتی کشمکش سے پاک کیا ہے. اس میں دونوں ہی یعنی ہیرو اور ہیروئن امیر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں.

اس ناول جاگیر دار کے بارے میں بتایا ہے کہ جاگیر دار شادی ہمیشہ اپنے ہی خاندان میں کر سکتا ہے اور جاگیر دار کا قانون دنیا کے سب قوانین سے زیادہ سخت ہیں۔ جاگیر وراثت میں ملتی ہے۔ وراثت میں ان کو جاگیر داری کے ساتھ ساتھ روایات بھی ملتی ہیں جو انھوں نے ساری زندگی سنبھال کر رکھنی ہوتی ہے اور ان پر عمل کرنا ان پر فرض ہو جاتا ہے۔ جاگیر داروں کے نزدیک ان کا قول قانون بن جاتا ہے جاگیر دار لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی تو دے سکتے ہیں لیکن اپنا یہ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔

> "راحیل نے کہا کے فاطمہ یہ ایک جاگیر دار کا قول ہے۔ جاگیر دار قول دے کر اپنی زندگی تو دے سکتا۔ قول واپس نہیں لے سکتا۔ ہمارے جاگیر داروں کے اپنے بھی کچھ اصول ہیں جاگیر دار کا کہا ہوا ہر لفظ قانون بن جاتا ہے اور قانون شکنی موت ہوتی ہے۔"(6)

جاگیر داروں کے لیے شراب پینا، گرل فرینڈ بنانا اور ان سے فون پر گھنٹوں باتیں کرنا بہت ہی عام ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

> "سارہ نے راحیل کے والد سکندر خان کو کہا کے میں دیکھائی دے رہا ہے۔ کئی کئی دن باہر گزار دیتا ہے گھرانے کا نام نہیں لیتا میں فون کرتی ہوں تو میرا فون نہیں اٹھاتا لگتا ہے شراب نوشوں گیا ہے ۔جب دیکھوں فون پر گھنٹوں لمبی لمبی باتیں کرتا رہتا ہے میرے خیال میں کالج میں کوئی گرل فرینڈ بنالی ہے۔ سکندر خان نے کہا

سارہ یہ ساری باتیں جاگیر دار کا حسن ہوتی ہیں راحیل بھی جاگیر دار
کا بیٹا ہے ایسی حرکتیں تو عام سی باتیں ہیں تم پریشان نہ ہوا کرو"(7)

اس ناول میں محبت کی اہمیت بہت ہی زیادہ بیان کی ہے۔ ناول کا بنیادی عنوان بھی محبت ہے۔ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ محبت کے لئے انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔ محبت میں بہت بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ محبت امتحانات کا نام ہے۔

"راحیل نے کہا نمرود کے دورے بادشاہت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نمرود اللہ تعالی کی سچی محبت سے نہیں روک سکا۔ محبت کرنے والے آتش نمرود سے نہیں ڈرتے محبت کی خاطر آتش نمرود میں خوشی اور اللہ تعالی کی سچی محبت کی خاطر بلا خوف و خطر کود جاتے ہیں۔ محبت کو زندہ رکھنے کے لیے مقتل کو جانے والی راہیں آباد کرتے ہیں۔ مقتل کو جانے سے کبھی نہیں گھبراتے محبت کی راہ میں کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتے۔ لیلیٰ مجنوں سے لے کر محبت نے کبھی سسی پنوں کا روپ دھارا کبھی محبت شیریں فرہاد کہاں کس میں نظر آئی ۔ کبھی سوہنی کی شکل میں اور کبھی ہیر رانجھا کی شکل میں اور کبھی مرزا صاحباں والے انداز میں ڈھال کر رواں دواں رہی محبت تو آج تک کوئی نہیں روک سکتا"(8)

محبت کے اپنے بھی بہت سے اصول ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اصول کبھی نہیں توڑتی۔ محبت کسی ظالم بادشاہ سے بھی نہیں ڈرتی۔ محبت اپنے اصولوں میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتی۔ محبت کے اصولوں میں بہت طاقت ہوتی ان طاقتوں کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

''محبت کے بھی خاندانی اصول ہیں محبت بھی اپنے اصولوں میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتی، خواہ وہ وقت کا جابر ترین حکمران ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ نمرود اور فرعون کی شکل میں بادشاہ ہو۔ محبت کے اصولوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقت راستہ نہیں روک سکتی۔ محبت نے ایک ہی جھلک سے بڑے بڑے تخت برباد کیے یہ محبت رہی دنیا تک رہے گی۔ لیکن اپنے اصول اپنی روایات نہیں بدلے گی۔''(9)

انھوں امیر طبقہ کے رہن سہن کے بارے میں بیان کیا۔ ان میں انا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے گھروں میں نوکر بہت زیادہ ہوتے ہیں اور گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے ہیں۔

''فاطمہ خود پڑھے لکھے اور امیر ترین گھر کی بیٹی تھی۔ وہ کسی کو دل کے قریب تو کیا کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہوتی تھی۔ خودی اور آنا میں پلی اور جوان ہوئی فاطمہ کے گھر میں نوکروں کی فوج رہتی تھی۔ اس کی زندگی بڑے آرام و سکون سے گزر رہی تھی۔''(10)

ڈاکٹر رفیق صاحب نے پاکستان کی تہذیب کے بارے میں بیان کیا ہے کہ پاکستان کی تہذیبی لباس کے بارے میں بتایا ہے۔ پاکستان میں شلوار قمیض کا رواج ہے۔ اسی طرح انھوں نے ناول میں شلوار، قمیض کو زیادہ پسند کیا ہے، انھوں نے مشرقی لباس کو پسند کیا ہے۔ راحیل جب فاطمہ سے ملنے کے لیے جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''راحیل نے کہا میں مسلمان پاکستانی بھی ہوں۔ میں اپنے مشرقی اور روایتی لباس میں جاتا ہوں۔ میں مغربی تہذیب کا دلدادہ بھی ہوں نہیں بھی ہوں۔ آج میں اپنے اسلاف کے طریقوں کے مطابق لباس زیب تن کرتا ہوں تاکہ میرا خاندانی وقار بھی نظر آئے راحیل نے بڑی سوچ بچار کے بعد نہایت دیدہ زیب قیمتی لباس شلوار قمیض اور شیروانی کو زیب تن کرنا پسند کیا۔ اس لباس میں راحیل انتہائی خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔''(11)

فاطمہ راحیل سے ملنے کے لئے تیار ہونے لگی۔ سوچ رہی تھی آج کون سا جوڑا پہنوں جس سے میں ایک پاکستانی اور باشعور اور نظر آؤں۔ تو فاطمہ نے مشرقی عورت کا لباس پسند کیا۔ ملاحظہ فرمائیں

"فاطمہ نے بھی آج اپنے آپ کو مشرقی عورت ثابت کرتے ہوئے شلوار قمیض پہننا پسند کیا۔ انتہائی قیمتی لیکن سادہ سا آسمانی رنگ کا شلوار قمیض زیب تن کیا۔"(12)

آدھی صدی آدھی محبت فنی نقطہ نظر سے

فنی حوالے سے دیکھا جائے تو زیر بحث ناول آدھی صدی آدھی محبت، اپنی مثال آپ ہے۔ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے کردار نگاری کے حوالے سے تمام تر فنی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے خوب صورت اور منفرد کردار تخلیق کیے ہیں۔یہ کردار محبت کے حوالے سے خاص خاص المیوں کا شکار نظر آتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے تمام کرداروں کا ذہنی اور نفسیاتی تجزیہ بھی کر دکھایا ہے۔ "انھوں نے "رحیل "، "فاطمہ" "عمارہ"، "سکندر خان"، "ثوبیہ"، "اویس "، "نوشین"، "شاہدہ"، "عمران" اور "سجاد" وغیرہ جیسے کردار وں کے ذریعے اردو ادب کو نوازا۔

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے بیانیہ طرز میں ناول لکھا ہے۔ لیکن ان میں مکالمہ نگاری کے خوبصورت نمونے جابجا نظر آتے ہیں ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کا مکالمہ اعلی اور مضبوط ہے۔ناول میں موجود مکالمے کرداروں کی ذہنی اور نفسیاتی اور جسمانی کیفیات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔

زمان و مکاں

یہ ناول اکیسویں صدی میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ہمارے معاشرے کے مسائل بیان کئے ہے کہ بیسویں صدی میں کیا کیا ہوتا ہے۔ یہ ناول لاہور میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لاہور یونیورسٹیوں اور ہوٹل کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ کہانی پاکستان کی ہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

"راحیل پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اردو کے پارٹ فرسٹ کا طالب علم تھا۔"(13)

"فاطمہ گورمنٹ کالج لاہور ایم اے انگلش کی طالبہ تھی۔"(14)

پھر دبئی کے شاپنگ سنٹر میں جا کر شاپنگ کرتے ہی سب سے پہلے سب نے Dubai Mall شاپنگ سنٹر میں شاپنگ کرنے کا ارادہ کیا۔

> " فاطمہ اور نوشین Dubai Mall شاپنگ سنٹر کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ اس سے پہلے حد نگاہ انتہائی دلکش خوبصورت "پلازہ" نہیں دیکھا تھا۔ یہاں دنیا کی ہر چیز میسر تھی۔" دبئی" کے حسن کو Dubai Mall کی روشنیوں اور رنگینیوں نے چار چاند لگا دیے ہیں۔"(15)

پلاٹ:

جہاں تک پلاٹ کا تعلق ہے تو ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے پلاٹ کی بنیادی ضرورتوں کو مد نظر رکھا ہے۔یوں ناولوں میں موجود تمام واقعات مربوط اور ایک دوسرے کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔دوسرے میں کہیں بھی کوئی خلاء محسوس نہیں ہوتا۔کہانی میں دلچسپی اور دلکشی قائم رکھنے کے لیے ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے تجسّس و جستجو کا اہتمام بھی کیا ہے۔محبت کے متنوع رنگ ہوں یامعاشرے کے اندر کسی ایک مسئلے کی نشان دہی ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے ہر حوالے سے اپنے افسانوں میں وحدت تاثر کا بھر پور خیال رکھا ہے۔ "انھوں نے کہانی کے اختتام پر کچھ اس قسم کی فضاء پیش کی ہے کہ قاری اُسے ختم کرنے کے بعد کسی نہ کسی خاص سمت میں ضرور سوچتا ہے۔ناول نگار ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے نہ تو منظم پلاٹ اور نہ ہی غیر منظم پلاٹ استعمال کیا ہے بلکہ درمیانی راہ کو اختیار کیا ہے جیسے :

> "اب تو میرے پاس اداسی ہے،تنہائی ہے کرب میں گزرنے والے لمحے میں آنے والی اس امید کی زندگی میں تمنائیں ہیں، آرزوئیں ہیں، امنگیں ہیں، سچے سچے آنکھوں میں خواب ہیں۔ان کی خوبصورت تعبیریں ہیں۔راحیل کے لیے محبت کے الفاظ اور زیرلب دعائیں ہیں۔میرے پاس اور تو بتانے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں ہے ۔اب میں ابو کو کیا بتاؤں کہ میرے کہنے کو کچھ بچاہی نہیں تو کیا بتاؤں فاطمہ کی شربتی آنکھوں سے بے خیالی سے آنسو نکل کر پلکوں کی

> زینت بن کر ٹھہر گئے۔ پھر فاطمہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گ یا۔ اور ابو کے ساتھ لگ کر بڑی دیر تک روتی رہی لیکن زبان بند رکھی جیسے کچھ کہنے کے قابل نہ رہی ہو۔"(16)

راحیل اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس سوچ میں تھا کہ یہ فاطمہ ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ میرے دل سے آواز آ رہی ہے اور میری سانسوں کو قرار سا ہونے لگا ہے میری آنکھوں میں ساون کی ہریالی سی ہوگئی ہے۔ میرے خشک ہونٹوں پر تازگی آ گئی ہے ہاں یہ فاطمہ ہی ہے اور جلدی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے اس کی طرف جانے لگا تھا۔ وہ ابھی ہوٹل کی حدوں میں ہی تھی۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "..... فاطمہ نے بھی راحیل کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ہونٹوں کی دہلیز پر رک کر کچھ لمحے سوچتی رہی، پھر کہنے لگی تھی کہ راحیل کیا میری محبت میں کمی آ گئی تھی یا تم گردش دوراں میں گم ہو گئے تھے۔ تیری جدائی میں شب وروز تنہائی میں تڑپتی رہی تھی، روتی رہی تھی ، آبلہ پا، تشنہ لبی، ہونٹوں پر چپ کے تالے، دل کی کرچیاں، آنکھوں میں ویرانیوں کے سائے کئی لمحے میری مجبوریوں کے بام پر لٹکے۔ پلکوں کے اندر جمی طویل خاموشی، کوئی تڑپتی ہوئی یاد"۔(17)

راحیل تم نے بہت دیر کی ہے۔ آتے آتے .... فاطمہ نے ان خیالوں، باتوں کے آتے ہی راحیل سے دامن بچا کر گزر جانے میں خیر کا پہلو جانا کہ کہیں وہ پھر اس کی محبت میں اس کے سامنے ریت کی دیوار کی طرح ثابت نہ ہو جا ئے۔ اس کے محبت کے سمندر میں تنکے کی طرح بہہ نہ جائے، کہیں اس کی محبت کے

سامنے اپنا وجود ہی ختم نہ کر لے کیونکہ وہ راحیل کی محبت میں ساری دنیا کو بھول جاتی تھی۔ صرف اس کو یاد رکھتی تھی۔

کردار نگاری:

"آدھی صدی آدھی محبت"عظیم مشرقی روایات کا حامل ناول ہے جس میں شرافت ہے شائستگی ہے اخلاق ہے شرم و حیا ہے مردانہ وجاہت ہے عزت ہے آبرو ہے۔اس سلسلے میں ناو"آدھی صدی آدھی محبت"بہت سے کرداروں مشتمل ہے۔آدھی صدی آدھی محبت کے کردار ہمارے اردگرد جیتے جاگتے کردار ہیں وہ کوئی دیو مالائی اور غیر انسانی مخلوق نہیں ہیں۔ناول میں سے لیے گئے کردار درج ذیل ہیں۔

راحیل،فاطمہ، سکندر خاں، عمارہ، سارہ، اسد، عاصفہ، طاہر خاں، اویس خاں، ثوبیہ، عمران، سجاد، نوشین، پرفیسر عابدہ، شاہدہ، سعدیہ محسن، عدنان، فاخرہ، راحم اور طلحہٰ، رحاب، ڈاکٹر ارشد محمود، ڈاکٹر سجل، عبداللہ، طاہرہ، عظمیٰ، محمد عاکف، ارم عاطف۔

فاطمہ:

ناول"آدھی صدی آدھی محبت"کی ہیروئن فاطمہ ہے۔ناول میں فاطمہ کی سراپا نگاری ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ

> وہ محبت کی پجاری بھی،وہ گفتار
> کی غازی بھی،وہ پروقار بھی،وہ گل و گلزار
> بھی،وہ حسن کی پرستار بھی،وہ مانند آبشار
> بھی،وہ نیک تمناؤں کی خواہاں بھی،وہ پر
> عزم بھی،وہ بزم بھی،وہ خود میں انجمن
> بھی،وہ پختہ ایمان کی مالکن بھی،وہ پھولوں
> کی خوشبو جیسی بھی،وہ وفادار بھی،وہ باحیا
> بھی،وہ باوقار بھی،وہ سلیقہ شعار بھی،وہ
> عظمت کا نشان بھی،وہ چلے تو تیز ہواؤں
> جیسی،وہ رکے تو گھنی ٹھنڈی چھاؤں

جیسی، وہ دیوی، راجکماری، وہ پریوں کی رانی
جیسی، وہ محبت بھری سچی پیار کہانی جیسی۔
(18)

ان القاب کے بعد فاطمہ کو دیگر الفاظ میں بھی پرویا گیا ہے فاطمہ میں رانجھے جیسی حیا، پنوں جیسی وفا، مجنوں والا جنون، فرہاد والا جذبہ، مرزا جٹ والی تڑپ، سوہنی والی جرأت، سسی جان پر کھیل جانے والی جان، لیلی والی پاکیزہ محبت، شیریں والی ادا، صاحباں والی دلفریب ادا اور حیا۔ فاطمہ جب راحیل محبت میں گرفتار ہوتی ہے تب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے انگلش کی طالبہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فاطمہ کا کردار اردو ادب کا زندہ جاوید کردار ہے جس میں مصنف نے فن کردار نگاری کے تمام اصولوں کو برتا ہے۔

راحیل:

راحیل ناول ''آدھی صدی آدھی محبت'' کا ہیرو ہے۔ راحیل پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اردو کے پارٹ فرسٹ کا طالب علم تھا مہ راحیل بہت بڑے جا گیر دار کا بیٹا تھا۔ راحیل اپنے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔ راحیل کے والد محترم سکندر خاں اپنے علاقے کا بہت بڑا جاگیردار اور سیاستدان بھی تھا۔ وہ کئی بار قومی اسمبلی کا ممبر بنا اور وزیر بھی رہ چکا تھا۔ ۲ ... راحل کی پیدائش پر سکندر خاں نے اپنی بہت بڑی حویلی جو کہ محل نما تھی میں بہت بڑا خوشی کا جشن منایا تھا۔ جس میں ملک کے کونے کونے سے بڑے بڑے جاگیردار، سیاستدان، وزیر اور تاجر بلکہ تمام طبقات کے لوگ مدعو کیے گئے تھے۔ خوشی کے رنگ کو دوبالا کرنے کے لیے ملک بھر سے بڑے بڑے فنکار بھی مدعو تھے۔

مصنف نے راحیل کی سراپا نگاری کرتے ہوئے لکھا ہے :

> ''وہ دل میں درد، زبان پر دعا، فریب ادا اور نظروں میں حیا رکھنے والا، وفا کا پیکر، روشن خیال، پر جمال، باکمالط، بے مثال زیست جو بھی گزری اس پر خادم بھی ، راحیل سب اپنوں کے لیے سراپا پیار بھی، دوستوں کے لیے للکار بھی، دشمن کے لیے تلوار بھی، وہ محسن بھی، شفیق بھی، رفیق

بھی، عمیق بھی، انیق بھی، ،وہ مضبوط ارادوں کا مالک بھی، وہ دانشور بھی، اتھرا بھی متھرا بھی، باوقار بھی، ملنسار بھی، کرنیل بھی، جرنیل بھی۔"[19]

سکندر خان:

ناول کا ہیرو سکندر خان کا بیٹا ہے جو کہ اپنے علاقے کا ایک معتبر جاگیردار اور سیاستدان ہے سکندر خان کئی بار قومی اسمبلی کا ممبر بنا اور وزیر بھی رہ چکا ہے، اس ناول میں بتایا گیا ہے کہ کیسے جاگیرداروں اور سرمایہ کاروں کو اپنے اردگرد رہنے والے لوگوں کا خیال کس طرح رکھنا چاہیے، اس ناول میں جو کردار راحیل کے والدین نے نبھایا ہے اس سے عیاں ہے کہ والدین کو کس طرح اپنی اولاد کی تربیت کرنی چاہیے بہت سی نصیحتیں، بہت سے سنہری الفاظ قابلِ غور ہیں

سارہ:

سارہ ناول میں ایک ماں کے طور پر کردار ادا کر رہی ہیں۔سارہ راحیل کی ماں ہیں جنھوں نے اپنے شوہر کی رضا کے لیے کبھی اونچی آواز میں گفتار نہیں ہوئی، اپنے شوہر کے ہر حکم کو سر خم تسلیم کیا۔ناول میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ماؤں کو چاہیے کہ کس طرح اولاد کی تربیت کرنی ہے۔[20]

عمارہ:

ناول میں عمارہ نامی خاتون نے جو کردار ادا کرتے ہوئے وفا کی پیکر بنی ہے اس سے ہم کافی متاثر ہو سکتے ہیں۔عمارہ فاطمہ کے ساتھ اس کے گھر گلبرگ میں رہتی ہے، عمارہ نہایت نفیس اور پاکیزہ صفتوں کی مالک ہے۔عمارہ نے فاطمہ کے ہر اچھے برے کا خیال رکھا۔اس وفا سے یہ اخلاقی سبق ملتا ہے کہ کیسے غلاموں کو اپنے آقاؤں کے حکم بجا لانا ہے۔فاطمہ نے سجاد اور عمارہ کی شادی کروا کے یہ ثابت کیا کہ اپنے ملازموں کی خاطر داری کا احساس کرنا چاہیے۔[21]

مکالمہ نگاری

ڈاکٹر رفیق شاہد نے اپنے ناول آدھی صدی آدھی محبت میں مکالمہ نگاری کے بھی خوبصورت نمونے پیش کیے ہیں۔ بہترین مکالمہ ہوتا ہے جس میں اختصار ہو اور متاثر کن بھی ہو۔ناول میں راحیل اپنی محبت جتاتے ہوئے فاطمہ سے کہتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

" فاطمہ ہم دونوں کے ارادے مضبوط ہیں، دلوں میں محبت ہے ہم دونوں مل کر انشاءاللہ یہ محبت کرنے والوں کے درمیان اٹھنے والی ان اونچی اونچی دیواروں کو گرادیں گے اور دنیاوالوں کو ثابت کر دیں گے۔"(22)

اس کے جواب میں فاطمہ نے بڑے خوبصورت انداز میں محبت کے خلاف معاشرے کے بارے میں اسے بتاتی ہے:

" آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ کے خلاف یہ سازش ہو رہی ہے کہ جیسا کہ ہم دونوں میں دوریاں حائل کر کے اک دوسرے سے دور رکھا جاسکے تو پھر آپ نے کس طرح اور کیوں برطانیہ جانے کی ہامی بھری۔"(23)

اس ناول میں مصنف نے ماں باپ کے درمیان ہونے والی باتوں کو اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر بیان کیا ہے۔ اور بچوں اور بڑوں کے درمیان جس طرح کا مؤدب لہجہ ہونا چاہیے وہ اس ناول میں بہترین انداز میں ملتا ہے۔ دوستوں کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی ایک دائرے میں رہتی ہے اس میں دوستوں کے ساتھ دل لگی تو ہے لیکن حد سے تجاوز کرتے ہوئے الفاظ نہیں ہیں۔ آپس میں محبت کرنے والوں کا طریقہ کیا ہونا چاہیے یہ بھی اس ناول کے مکالموں میں ملتا ہے۔

منظر نگاری:

منظر نگاری کے حوالے سے "آدھی صدی آدھی محبت "کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان کے ناول میں موجود منظر نگاری کے کرشمے ان کی فنی باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کے ناول کی ابتداء مرکزی ہیرو کے تعارف سے ہوتی ہے۔یوں قاری ابتداءہی سے خود کو ناول کا ایک حصہ

تصور کرنے لگتا ہے اور ناول ایک جیتی جاگتی تصویر کی صورت میں قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے:

”فاطمہ کافی دیر کے بعد شہر میں آئی تھی۔ موسم بھی بہت اچھا ہو گیا تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل بھی نظر آ رہے تھے۔ ہوا بھی چل رہی تھی وہ سڑک کے کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتے رہی تھی۔ باہر کے خوبصورت مناظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھی۔“(24)

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے اپنے ناول آدھی صدی آدھی محبت میں بہت ہی انداز میں منظر کو پیش کیا ہیں۔ اس ناول کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم حقیقت اس جگہ پہنچ گئے ہیں اور یہ مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں انھوں نے سمندر کے منظر کو اس طرح پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں

”عدنان نے کہا کہ آج چاند کی پندرہ تاریخ ہے چلو چل کر تھوڑی دیر کے لیے ساحل سمندر کی خوبصورت اٹھکیلیاں کرتی ہوئی تند و تیز ترکش لہروں کی پیدا کردہ منظر کشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، سمندر کی تمام تر رنگینیوں کو آنکھوں میں محفوظ کرتے ہیں۔ فاطمہ اور نوشین نے اپنی زندگی میں اتنے بلکہ حد نگاہ تک کھلے سمندر کا پہلی دفعہ نظارہ کیا تھا۔“(25)

عدنان، فاطمہ اور نوشین میں جب سمندر کی سیر کر لی تو واپسی پر رات ہو گئی تھی تو وہ رات کے وقت دبئی جس طرح نظر آ رہا تھا اس کی کاشی کی ہے۔

اسلوب:

اسلوب کے حوالے سے دیکھا جائے تو بنیادی طور پر ڈاکٹر محمد رفیق شاہد ا نے اپنے ناول میں بیانیہ طرز تحریر اختیار کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ناول میں کہانی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن بیانیہ طرز خشک اور سپاٹ قطعی طور پر نہیں بلکہ اس میں دلکشی اور دلچسپی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اُن کے ناول قدرت اظہار کا مظہر ہیں، جس میں سادہ بیانیہ انداز کے ساتھ ساتھ شاعرانہ وسائل

کو بھی بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ڈاکٹر محمد رفیق شاہد کے ناول میں خوبصورت تشبیہات اور استعارات کی مثالیں جا بجا نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے اپنے اس ناول کا آغاز آدھی صدی آدھی محبت،کے مرکزی ہیرو راحیل کے تعارف سے کیا ہے۔انھوں نے اپنے ناول میں خوب صورت اور بر محل اشعار کو بھی جگہ دی ہے۔ جبکہ ان کے بعض جملے پڑھ کر شاعری کا گماں گزرتا ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے فاطمہ اور رحیل کی جدائی کے لمحات کو شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے یوں کہا:

چلے آؤ کہ ہم تو عمر کانٹوں پہ گزار آئے
چلے آؤ کہ تمہارے دم سے آنگن میں
بہارآئے
چلے آؤ کہ خزاں کے مارے پھولوں پر
کھارآئے(26)

جبکہ ان کے ناول میں موجود مختلف مکالمے اور جملے اپنے اندر رمز و کنایے کی کیفیات بھی لیے ہوئے ہیں جو کہ قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ناول نگار نے سادہ اسلوب تحریر اختیار کرتے ہوئے اپنے اس ناول کو اخلاقیات کی حدود میں رہ کر تحریر کیا ہے،اتنا شائستہ اور مہذب ہے کہ باپ بیٹی اور ماں بیٹا اکٹھے بیٹھ کر اس ناول کو پڑھ سکتے ہیں۔مصنف نے ایسا خوبصورت اسلوب اختیار کیا کہ کسی بھی جگہ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

تشبیہات وہ استعارات:

''فاطمہ نے پیار و محبت کی ایک نگاہ سے رحیل کو دیکھا۔ دوسرے لمحے انتہائی دل کو موہ لینے والے دلفریب سے انداز و دلکش ادا سے اپنی حسین سی زلف کی کالی سیاہ لٹ کو پر وقار طریقے اور سلیقے سے ہٹاتے ہوئے گلاب کی سرخ پنکھڑیوں جیسے لبوں کو حرکت دیتے

ہوئے بڑے دھیمے انداز سے حیا وفا کا دامن پکڑے سادگی وضع داری سے سلام پیش کیا۔" (27)

اتنا شائستہ اور مہذب ہے کہ باپ بیٹی اور ماں بیٹا اکٹھے بیٹھ کر اس ناول کو پڑھ سکتے ہیں۔

"میرا توکل تو اللہ تعالی پر پہلے ہی بہت پختہ و مضبوط تھا لیکن لگتا ہے کہ آج میرا ایمان مکمل ہو گیا۔ خداوند تعالیٰ خلوص دل مانگنے والوں کو ان کی سوچوں سے زیادہ دیتا ہے۔"(28)

یوں مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد رفیق شاہد ناول میں اسلوب کی تمام تر خوبصورتی اور چاشنی موجود ہے۔

مختلف زبانوں کے الفاظ کا استعمال

انگلش زبان کے الفاظ

مصنف نے اس ناول میں موقع کی مناسبت سے انگلش زبان کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

" راحیل نے ایک گولیNIMS کی گرم گرم کافی کے ساتھ نگل لی۔"(29)

عبداللہ کی سالگرہ کا کیک کاٹتے ہوئے وہ بولا:

Happy birthday to you, "(30)
"happy birthday to you

جیسے وہ دبئی میں شاپنگ کرتے ہیں تو:

"سب سے پہلے سب نےDUBI MALL شاپنگ سنٹر دیکھنے کا ارادہ کیا۔"(31)

فارسی زبان کے الفاظ کا استعمال

مصنف نے ناول ادریس داد محبت میں فارسی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں:

"تنگ آمد بجنگ آمد"(32)

پنجابی الفاظ کا استعمال

مصنف ناول میں جابجا پنجابی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے:

"نوشین کی اماں نے کہانوشین بیٹی دل دریا سمندروں دونگے کون
دلاں دیاں جانے ہو۔۔۔۔"(33)

حروف جار کا استعمال

کوئی بھی زبان بولتے ہوئے جملہ سازی کرنا پڑتی ہے اور اس کے لیے حروف جار کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے:

"فاطمہ نے سجاد سے کہا کہ اب تم گاڑی صدیق سنٹر پر لے چلو۔"(34)

اسی طرح ایک اور جگہ:

"سجاد تم گاڑی کو کسی مناسب جگہ پر پارک کر کے آنا۔"(35)

محاورات کا استعمال

مصنف نے اس ناول میں کہیں کہیں محاورات استعمال کیے ہیں۔ محاورات کا استعمال ناول کو بوجھل بنانے کی بجائے اس میں حسن پیدا کرتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

اسی طرح ایک اور جگہ ہے:

"نوشین کی ماں نے کہا: نوشین بیٹیدل دریا سمندروں دونگے کون
دلاں دیاں جانے ہو۔"(36)

اس ناول میں مصنف نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ مختلف زبانوں کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔اسی طرح موقع کی مناسبت سے محاورات کا بھی استعمال دل نشین پیرائے میں کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے اس ناول کو وقت طبقاتی نظام کو مٹا دیا ہے۔ اور ایک جاگیر دارانہ طبقہ اور ایک امیر طبقہ کر کیا ہے۔ جن کو آپس میں محبت ہو جاتی ہے۔ اور یہ محبت

بھی ادھوری ہی رہتی ہے۔ پھر جاگیر داروں کے بارے میں بتایا ہے کہ جاگیر دار کا ہر لفظ قانون بن جاتا ہے اور قانون شکنی موت ہے۔ اس کے انھوں نے امیر طبقہ کی بات کی ہے وہ اپنی انا۔، عزت و وقار کو بر قرار رکھنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کو سب چیزوں سے بڑھ کر ان کی انا ہوتی جو وہ کبھی نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کو ان کی مرضیاں نہیں کرنے دیتے۔ عیاشی، نوکر چاکر کی فوج ان کے ہر وقت پاس ہوتی ہے۔

اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ محبت کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ محبت کی راہ میں جانے دینے والے بہت ہوتے ہیں۔ لیکن محبت کی راہ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں بننے دیتے۔ جیسا کہ سسی پنوں، ہیر رانجھا، سوہنی ماہیوال، شیریں فرہاد، مرزا صاحباں وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیق شاہد نے اپنے ناول کو دلچسپ دلکش بنانے کے لیے تجسس اور جستجو کا اہتمام بھی کیا ہے۔

حوالہ جات

ا محمد رفیق شاہد، ڈاکٹر، چاند کے پیار میں، (فیصل آباد : سلیم نواز پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۰

2 سیف الدین سیف، خم کا کل، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، اپریل، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۹

3 محمد رفیق شاہد، ڈاکٹر، تکلف، (لاہور: فریدیہ آرٹ پریس کمال گنج، ۲۰۱۲ ء)، ص ۸۲

محمد رفیق شاہد، ڈاکٹر، آدھی صدی آدھی محبت، (مہر گرافکس اینڈ پبلشرز، ۲۰۲۱)، ص ۷

5 ایضاً، ۱۱

6 ایضاً، ص ۴۲

7 ایضاً، ص ۴۳

8 ایضاً، ص ۵۲

9 ایضاً، ص ۵۱

10 ایضاً، ص۱۷

11 ایضاً، ص۲۷

12 ایضاً، ص۲۹

13 ایضاً، ص۱۶

14 ایضاً، ص۱۹

15 ایضاً، ص۳۱۱

16 ایضاً، ص۹۲

17 ایضاً، ص۱۱۵

18 ایضاً، ص۱۶

19 ایضاً، ص۱۵

20 ایضاً، ص۴۳

21 ایضاً، ص۵۲

22 ایضاً، ص۶۹

23 ایضاً، ص۶۹

24 ایضاً، ص۱۵۸

25 ایضاً، ص۳۱

26 ایضاً، ص۹۸

27 ایضاً، ص۳۰

28 ایضاً، ص۱۲۶

29 ایضاً، ص۳۳۴

30 ایضاً، ص۳۳۴

31 ایضاً، ص۳۱۱

32 ایضاً، ص۳۸۱

33 ایضاً، ص۳۱۹

34 ایضاً، ص۱۵۸

35 ایضاً، ص۱۵۸

36 **ایضاً، ص۳۱۹**